

## مولانا عبدالحق خیر آبادی اور ان کے تلامذہ کے علمی معرکے

اگست ۲۰۱۱ء میں مجاہد آزادی استاذ مطلق علامہ فضل حق چشتی خیر آبادی کی وفات کو پڑھ سو سال ہونے جارہے ہیں، اس سلسلے میں مختلف سطح پر علامہ کی علمی و ادبی بگلی اور قومی خدمات کے اعتراف میں ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا جا رہا ہے، رسائل و جرائد کے خصوصی شماروں کی تیاری ہے، ملک کے مختلف حصوں میں علامہ کی حیات و خدمات پر کانفرنس و سیمینار منعقد کیے جارہے ہیں، ماہنامہ جام نور بھی ایک خصوصی شمارہ جاری کر کے کام رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں علمی اور تحقیقی سطح پر جو کام کیے جارہے ہیں ان میں دو کام اپنی نوعیت اور مواد کے اعتبار سے ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ (۱) ممتاز محقق و ناقد مولانا اسیدالحق قادری بدایونی ”خیر آبادیات“ کے نام سے ایک تحقیقی کتاب ترتیب دے رہے ہیں، جواب تکمیل کے مراحل میں ہے، اب تک علامہ فضل حق خیر آبادی اور ان کے علوم و معارف پر ہندوپاک میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے، مولانا کی یہ کتاب اس دستیاب شدہ معلومات میں نہ صرف یہ کہ اضافہ کرے گی، بلکہ نایاب قلمی نسخوں کی مدد سے بہت سے ایسے گوشے بھی سامنے لائے گی جو اب تک محققین اور سوانح نگاروں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ (۲) ۱۸۵۷ء کے معرکے میں دیگر دستاویزات کے علاوہ ”دلی اردو اخبار“ کو خاصی اہمیت حاصل ہے، جس کے ۷۷ شمارے نیشنل آرکائیوز آف انڈیا میں محفوظ ہیں۔ ان شماروں اور دیگر اہم دستاویزات کے حوالے سے راقم ایک کتاب ”معرکہ ۱۸۵۷ء دلی اردو اخبار کی زبانی“ مرتب کر رہا ہے۔ اس کتاب کے حاشیے میں چند نایاب دستاویزات کے حوالے سے مذکورہ معرکے میں علماء کی شمولیت کو ثابت کیا جائے گا۔ یہ دونوں کتابیں ان شاء اللہ جون کے آخر تک ہندوپاک دونوں جگہ سے بیک وقت شائع ہو رہی ہیں۔ مولانا اسیدالحق قادری کا زیر نظر مضمون ان کی زیر ترتیب کتاب ”خیر آبادیات“ ہی کی ایک فصل ہے، جو کچھ حذف و اضافے کے ساتھ ہماری خواہش پر مولانا نے جام نور کے لیے عنایت کیا ہے۔ (خوشنورانی)

**خانوادہ خیر آباد** برصغیر ہندوپاک کا وہ منفرد اور ممتاز خانوادہ ہے جس کے فیضانِ علم سے کم و بیش برصغیر کی ہر دینی و علمی درسگاہ اور دانش گاہ فیض یاب ہوئی ہے اور آج بھی اس خانوادہ کی تصانیف اور سلسلہ تلامذہ کے ذریعہ خیر آباد کا علمی اثر کرم تشنگانِ علوم کو سیراب کر رہا ہے، اسی خانوادے کے عظیم فرزند شمس العباد مولانا عبدالحق خیر آبادی ان علامہ فضل حق خیر آبادی ہیں جنہوں نے اپنی تصانیف اور درسی خدمات سے اس خاندان کی عظمت کو نہ صرف یہ کہ برقرار رکھا بلکہ اورج تریا تک پہنچا دیا، آپ کی ولادت ۱۲۴۲ھ/ ۱۸۲۸ء میں ہوئی، جملہ علم و عقیدہ و تہذیب کی تحصیل اپنے والد گران استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی سے کی، لڑکپن میں ذہانت اور قابلیت کا یہ عالم تھا کہ اپنے والد کے حشرِ قاضی مبارک پر محض ۱۴ سال کی عمر میں برجستہ اور فی البدیہہ ایک مسئلہ کو کہہ دیا مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی نے مولوی ظہیر احمد قادری سے اپنی روایت نقل کی ہے کہ:

”جب عاصم (فضل حق خیر آبادی) قاضی کا حاشیہ تصنیف فرما

رہے تھے تو ایک روز کسی ضرورت سے اٹھ کر کافتات یوں ہی چھوڑ کر چلے گئے، مولانا عبدالحق جن کی عمر اس وقت ۱۴ سال تھی، باپ کے کمرے میں داخل ہوئے، اور عبارت کے آگے ایک صفحہ اپنے قلم سے تصنیف کر گئے، جب علامہ نے آنکر دیکھا تو دریافت کیا کہ ”کیا ابن میاں کمرے میں آئے تھے“ معلوم ہوا کہ آئے تھے، وہ صفحہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے، اور اس صفحہ کو بچہ رہنے دیا۔ (۱)

جب حاشیہ قاضی اور مولانا عبدالحق کا ذکر ایک ہی مقام پر آ گیا ہے تو یہ بھی سننے چلیں کہ جب جزیرہ انڈمان کی قید کے زمانے میں کسی نے علامہ فضل حق خیر آبادی سے پوچھا کہ ہندوستان میں کیا یادگار چھوڑ کر آئے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ”دو یادگاریں چھوڑ آیا ہوں، ایک حاشیہ شرح سلم قاضی مبارک اور دوسری یادگار بر خوردار عبدالحق“۔ (۲)

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مولانا عبدالحق کا علمی مرتبہ خود ان کے والد کی نگاہ میں کیا تھا۔ حاشیہ قاضی پر برجستہ ایک صفحہ لکھنے کا واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ باقاعدہ درسیات سے فارغ بھی نہیں ہوئے



تھے، ۱۶ رسال کی عمر میں تمام درسیات معقول و منقول سے فارغ ہوئے (۳) زمانہ طالب علمی میں جس ”شاہیں پچ“ کا یہ حال ہوئے اور علم میں اضافے کے بعد اس کی پرواز کہاں تک پہنچی اس کو سمجھنے کے لیے صرف یہ واقعہ نقل کرنا کافی ہوگا کہ ایک مرتبہ مولوی اکرام اللہ شہابی گویا مولوی نے مولانا عبدالحق خیر آبادی سے پوچھا کہ ”بھائی صاحب! دنیا میں حکیم کا اطلاق کن کن پر ہے؟ مولانا نے فرمایا ”بھیا ساڑھے تین حکیم دنیا میں ہیں، ایک معلم اول ارسطو، دوسرے معلم ثانی فارابی، تیسرے والد ماجد مولانا فضل حق اور نصف بندہ۔“ (۴)

مولانا عبدالحق خیر آبادی کی ساری عمر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزری، سوانح نگاروں نے آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف کا ذکر کیا ہے (۱) حاشیہ قاضی مبارک (۲) حاشیہ غلام نبی (۳) حاشیہ حمد اللہ (۴) حاشیہ میرزاہد امور عامہ (۵) شرح ہدایہ الحکمتہ (۶) شرح مسلم الثبوت (۷) شرح کافیہ (۸) شرح سلاسل الکلام (۹) الجواہر الغایہ (۱۰) رسالہ تحقیق تلازم (۱۱) شرح مرقات (۱۲) الحقۃ الوزیریہ (۱۳) زبدۃ الحکمتہ (۱۴) حاشیہ عقائد عقدیہ (۱۵) شرح حواشی الزہاد علی ملاحظہ لاہور وغیرہ۔ (۵)

سیکڑوں ہزاروں لوگوں نے آپ کی درس گاہ سے علوم عقلیہ کی تحصیل کی، جن میں والیان ریاست اور مقتدر علمی خاندانوں کے افراد کے علاوہ ہندو بیرون ہند کے بے شمار تشنگان علوم شامل ہیں۔ ۲۳ ریشوال ۱۳۱۶ھ ۱۸۹۹ء کو رحلت فرمائی، اپنے آبائی وطن خیر آباد شریف میں مدفون شیخ سعدی درگاہ کے احاطے میں سپرد خاک کیے گئے۔ آپ نے اپنی تصانیف میں متعدد معاصرین اور متقدمین سے اختلاف رائے کیا، اور اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل پر بہت سے معقولی مسائل میں اپنی اجتہادی رائے پیش کی، جس کے نتیجے میں بعض معاصرین اور کچھ متاخرین سے علمی معرکہ آرائی کی نوبت آگئی، کچھ اہل علم نے آپ کی بعض تحقیقات پر نقد و جرح کی جس کے دفاع میں آپ کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ میدان کارزار میں کود پڑے اور علمی بحث و مناظرے کا بازار گرم ہوا، زیر نظر مضمون میں ہم مولانا اور ان کے تلامذہ کے انہیں علمی معرکوں کی سرگزشت پیش کرنے جا رہے ہیں، یہ معرکے علمی حوالے سے دلچسپ بھی ہیں اور اس زاویے سے سبق آموز بھی کہ وہ کیسے لوگ تھے جو ایک طرف تو میدان تحقیق و تنقید میں ایک دوسرے

کے مد مقابل اور باہم برسر پیکار تھے، اور دوسری طرف ایک دوسرے کے ایسے قدر و منزلت شناس تھے کہ پاس و لحاظ اور ادب و احترام کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔

مولانا عبدالحق فرنگی محلی اور مولانا عبدالحق خیر آبادی: مولانا عبدالحق فرنگی محلی (ولادت: ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء - وفات: ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) اور مولانا عبدالحق خیر آبادی یہ دونوں عظیم علمی خاندانوں کے قافل فخر فرزند تھے، دونوں بڑے باپ کے بڑے بیٹے تھے، اور اپنے معاصرین میں منفرد و ممتاز تھے، مولانا عبدالحق خیر آبادی عمر میں مولانا عبدالحق فرنگی محلی سے ۲۰ برس بڑے تھے، ان دونوں حضرات کے درمیان ایک دلچسپ علمی معرکہ آرائی ہوئی، جواب تاریخ کے سینے میں محفوظ ہے۔ اس معرکہ آرائی کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

رسالہ قطبیہ پر علامہ میرزاہد ہروی کا حاشیہ ہے، اس پر علامہ غلام نبی بہاری کا حاشیہ لواء الہدیٰ فی اللیل والدجی کے نام سے ہے، آج سے کچھ عرصہ پہلے تک یہ کتاب درس نظامی میں داخل تھی، مولانا عبدالحق صاحب نے ۱۲۷۷ھ میں لواء الہدیٰ پر حاشیہ لکھا، جو ۱۲۷۸ھ میں مطبع نظامی کانیپور سے شائع ہوا، ۱۲۸۰ھ میں جب مولانا عبدالحق فرنگی محلی اپنے والد مولانا عبدالحق فرنگی محلی سے رسالہ میرزاہد لواء الہدیٰ پڑھ رہے تھے، تو آپ نے لواء الہدیٰ پر حاشیہ لکھا، جس کا نام ”ہدایۃ السورۃ الی لواء الہدیٰ“ رکھا، اس حاشیہ میں جہاں انہوں نے لواء الہدیٰ کے دوسرے بحث و تنقید پر نقد و جرح کی وہیں مولانا عبدالحق خیر آبادی کا حاشیہ بھی بحث و تنقید کی زد میں آگیا، یہاں یہ بات نہ صرف قابل ذکر ہے بلکہ باعث استغراب بھی ہے کہ جس وقت مولانا عبدالحق فرنگی محلی مولانا عبدالحق سمیت دوسرے اعظم منطقہ کی آرا پر نقد و نظر فرما رہے تھے اس وقت آپ کی عمر محض ۱۶ سال تھی.....

آفریں بادریں ہمت مردانہ تست

۶ رسال کے بعد یعنی ۱۲۸۶ھ میں آپ نے لواء الہدیٰ پر ایک اور منقول حاشیہ تحریر فرمایا جس کا نام ”مصابح الدجی فی لواء الہدیٰ“ رکھا، یہ ایسا عظیم الشان حاشیہ ہے کہ اگر علم منطق میں مولانا کی کوئی اور کتاب نہ بھی ہوتی تو تنہا مصباح الراجی مولانا کو کبار مناظرہ کی صف اول میں کھڑا ہونے کا مستحق ثابت کرنے کے لیے کافی تھی، اس میں آپ نے مولانا عبدالحق خیر آبادی کے حاشیہ پر کچھ نئے



اعتراضات کیے اور کثرتِ اعتراضات کو مزید مدلل کیا، مولانا کے ان دلائل حاشیوں کے اعتراضات کا جواب مولانا عبدالحق خیر آبادی کے ایک تلمیذ کے نام سے منظر عام پر آیا، مولانا عبدالحق خیر آبادی کے اس جواب پر مولانا عبدالحق فرنگی محلی نے ۱۲۸ھ میں جواب الجواب لکھا جس کے نام ”نور الہدیٰ لحملۃ لواء الہدیٰ“ لکھا اس کے علاوہ انہوں نے اپنے حاشیے مصباح الدینی پر بھی حقیقت قلم بند کیں اور اس میں انہوں نے مولانا عبدالحق خیر آبادی کے ان اعتراضات کا جواب دیا جو انہوں نے اس حاشیہ کے بعض مقامات پر کیے تھے۔ اس مباحثے کے تقریباً دس بارہ برس بعد مولانا عبدالحق خیر آبادی نے پھر ان حواشی کی طرف توجہ کی اور مولانا عبدالحق فرنگی محلی کے جواب میں ایک اور رسالہ لکھا، یہ بھی کسی شاگرد کے نام سے ہی منظر عام پر آیا، اس کے جواب میں مولانا نے ۱۳۰۲ھ میں ایک رسالہ قلم بند فرمایا جس کا نام ”علم الہدیٰ“ رکھا، معلوم نہیں پھر اس کے جواب میں خیر آبادی علما کی طرف سے کچھ لکھا گیا یا نہیں۔

اس معرکے میں کچھ تو اصولی اور علمی مسائل زیر بحث آئے اور کہیں محض لفظی گرفتیں کی گئیں ہیں، قیل و قال کے درمیان کہیں کہیں مزاح لطیف اور طنز طبع کی صورت بھی پیدا ہو گئی، یہاں ہم اس مباحثہ سے صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

ہدایۃ الوریٰ میں ایک بحث کے دوران علامہ غلام یحییٰ بہاری نے ضمناً ایک بات ارشاد فرمائی کہ:

کما ان النسبة داخلۃ فی مفهوم القضية دون حقیقتها (۶)

جیسا کہ نسبت صرف قضیہ کے مفہوم میں داخل ہے نہ کہ قضیہ کی حقیقت میں۔

اس پر مولانا عبدالحق خیر آبادی نے علامہ غلام یحییٰ سے اختلاف رائے کرتے ہوئے اس کو علامہ غلام یحییٰ کا ”مسطط“ قرار دیا، اس پر ایک طویل بحث کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

والحاصل ان النسبة مناط القضية ومدارها فكيف یظن انها خارجۃ عن حقیقتها (۷)

خلاصہ یہ کہ نسبت ہی پر قضیہ کا مناط ومدار ہے لہذا یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ نسبت قضیہ کی حقیقت سے خارج ہو۔

مولانا عبدالحق فرنگی محلی نے مولانا عبدالحق کی اس پوری بحث کو چھوڑ دیا اور رد کر دیا، اور آخر میں لکھا کہ:

فقد ظهر من هذا البيان الواضح والتبيان اللامع ان هذا الكلام من اوله الى آخره مغالطۃ وان نسبة السفطة الى الشارح صدرت عن غفلة (۸)

اس واضح بیان سے ظاہر ہو گیا کہ (مولانا عبدالحق کا) یہ کلام از اول تا آخر مغالطے پر مبنی ہے اور شارح (علامہ غلام یحییٰ) کی طرف مسقط کی نسبت غفلت کی وجہ سے صادر ہو گئی ہے۔

مولانا عبدالحق خیر آبادی نے یہ جو فرمایا تھا کہ ”نسبت ہی پر قضیہ کا مناط ومدار ہے لہذا یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ نسبت قضیہ کی حقیقت سے خارج ہو“ اس کا رد کرتے ہوئے مولانا عبدالحق فرنگی محلی نے ایک جملہ یہ لکھ دیا کہ:

وهل هذا كما يقال الوضوء مناط الصلوة ومدارها فكيف یظن انها خارج عن حقیقتها وهذا عجیب (۹)

یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ ”وضو پر نماز کا دار ومدار ہے لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وضو نماز کی حقیقت سے خارج ہو“ یہ کتنی عجیب بات ہے۔ مولانا عبدالحق خیر آبادی نے اس کا معقول جواب تو دیا ہی مگر ساتھ ہی مولانا عبدالحق صاحب پر ایک چوٹ بھی کر گئے فرماتے ہیں کہ:

اما ذكر مسألة الوضوء والصلوة فی هذا المقام فهو يدل علی كونه جامعاً بین المعقول والمنقول ولو اورد فی هذا المبحث مسائل الطلاق والعناق والبيع والشراء وغيرها لكان اعدل شاهداً علی فقاهته واول دليلاً علی سفاخته (۱۰)

اس مقام پر وضو اور نماز کے مسئلے کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ جناب معقول و منقول کے جامع ہیں، اگر محترم اس بحث میں طلاق و عناق، خرید و فروخت اور خفہ وغیرہ کے بھی کچھ مسائل ذکر دیتے تو یہ موصوف کی فتاہت پر بہترین گواہ اور سفاہت کی اولین دلیل ہوتی۔ اس پر مولانا عبدالحق کہاں خاموش رہنے والے تھے، انہوں نے بھی جواب آں غزل کے انداز میں چنگی لی، فرماتے ہیں:

هذا عجیب جداً ممن يعد من علماء المسلمين، نعم لا يستبعد مثله من السفیه الذی لا یوضأ ولا یصلی ویستغفر عن ذكر اركان الدين۔ (۱۱)



جس شخص کا شمار مسلمانوں کے علماء میں ہوتا ہو اس سے یہ بات کتنی عجیب ہے، ہاں البتہ اس قسم کی باتیں ایسے احمق سے بعید نہیں جو نہ وضو کرتا ہو نہ نماز پڑھتا ہو اور ارکان دین کے ذکر سے نفرت کرتا ہو۔

۱۹۹۶ء ۱۹۹۷ء میں راقم الحروف نے استاذ محترم علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب کی درس گاہ میں رسالہ میرزا بدیع حاشیہ غلام یحییٰ پڑھنے کی سعادت حاصل کی تھی، استاذ محترم کے حکم کے مطابق مولانا عبدالحق فرنگی محلی کا حاشیہ مصباح الدینی زیر مطالعہ رکھتا تھا، اور کبھی کبھی مولانا عبدالحق خیر آبادی کے حاشیہ کا بھی مطالعہ کرتا تھا، مولانا عبدالحق صاحب کی سب سے بڑی خوبی ان کی سہل نگاری ہے، مشکل سے مشکل بحث آسان سے آسان تر انداز میں لکھنے کا جو ملکہ اللہ نے ان کو ودیعت کیا تھا وہ بہت کم لوگوں کو میسر آتا ہے، اس کے برخلاف مولانا عبدالحق کے قلم پر ان کا علمی رعب و دبہ اور محققانہ گہرائی و گیرائی اس قدر حاوی ہوتی ہے کہ ان کی بات ہم جیسے کم فہم طلبہ کی سمجھ میں ذرا مشکل سے ہی آتی ہے، اس لیے ہم جیسا کوئی کم علم طالب علم اگر ان دونوں حضرات کے مباحثے کو دیکھے گا تو مولانا عبدالحق صاحب کے مقابلے میں مولانا عبدالحق صاحب کی حمایت کرتا نظر آئے گا، جو یقیناً اس کے قصور فہم کا نتیجہ ہوگا، کیوں کہ ان دونوں عبقری شخصیات کے درمیان صحیح اور غلط کا فیصلہ وہ کرے جو انہی کی طرح بلند علمی مقام رکھتا ہو۔

مولانا عبدالحق خیر آبادی اور مفتی سعد اللہ مراد آبادی: مفتی سعد اللہ مراد آبادی (ولادت: ۱۲۱۹ھ ۱۸۰۴ء، وفات: ۱۲۹۳ھ ۱۸۷۷ء) اپنے وقت کے جلیل عالم تھے، لکھنؤ میں مدتوں قضا اور افتا کے عہدوں پر فائز رہے، مؤلف تذکرہ علمائے ہند نے مختلف علوم و فنون میں ان کی ۳۱ تصانیف کا ذکر کیا ہے جس سے ان کے علم و فضل کا اندازہ ہوتا ہے (۱۲) مفتی صاحب علامہ فضل حق خیر آبادی کے نہ صرف معاصر بلکہ علمی اور تحقیقی میدان میں حریف تھے، علامہ فضل حق خیر آبادی اور مفتی سعد اللہ مراد آبادی کے علمی معرکوں کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ”خیر آبادیات“ میں نقل کی ہے، ایک مرتبہ انہیں مفتی سعد اللہ کے ایک تلمیذ مولانا فدا حسین اور مولانا عبدالحق خیر آبادی کے درمیان علمی معرکہ آرائی کی فوریبت آگئی، ہوا یوں کہ مفتی سعد اللہ مراد آبادی نے فلسفہ کی مشہور کتاب شرح ہدایت الھکماء لعدرا الشیرازی پر کچھ تعلیقات تحریر فرمائیں، جب مفتی صاحب کی تعلیقات منظر عام پر آئیں تو ان پر مولانا عبدالحق

خیر آبادی نے ۴۴ اعتراضات کیے، ان ۴۴ اعتراضات کے جواب میں مفتی سعد اللہ مراد آبادی کے شاگرد مولانا محمد فدا حسین نے قلم اٹھایا اور اپنے استاذ کے دفاع میں ایک رسالہ قلم بند کیا، اس میں انہوں نے پہلے مولانا عبدالحق خیر آبادی کے ان چاروں اعتراضات کا جواب دیا اور ساتھ ہی مولانا عبدالحق خیر آبادی کے والد اور دادا پر چار اعتراضات بھی کر دیے، پہلے تین اعتراضات علامہ فضل حق خیر آبادی کی کتاب ہدیہ سعید پر تھے، اور ایک اعتراض علامہ کے والد مولانا فضل امام خیر آبادی کی کتاب ”شرح میزان منطق“ کی ایک عبارت پر تھا، مولانا فدا حسین کے اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ قادریہ بدایوں میں محفوظ ہے، معلوم نہیں کہ اس کے جواب میں مولانا عبدالحق خیر آبادی یا آپ کے تلامذہ میں سے کسی نے کچھ لکھا یا پھر یہ سلسلہ یہیں ختم ہو گیا۔

مولانا فضل حق رامپوری اور حاشیہ میرزا بدیع امور عامہ: مولانا عبدالحق خیر آبادی نے حاشیہ میرزا بدیع (بر شرح مواقف امور عامہ) پر ایک تحقیقی حاشیہ تحریر فرمایا، اسی میرزا بدیع امور عامہ پر مولانا فضل حق رامپوری (ولادت: ۱۲۷۸ھ ۱۸۶۱ء - وفات: ۱۳۵۸ھ ۱۹۴۰ء) پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور نے بھی حاشیہ تحریر فرمایا، مولانا فضل حق رامپوری اپنے زمانے کے تبحر عالم اور محقق و مدرس تھے، سلسلہ پشتیہ میں حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے نعت بیعت رکھتے تھے (۱۳) اگرچہ مولانا فضل حق رامپوری بھی میخانہ خیر آبادی کے بادیہ نوش تھے، وہ مفتی لطف اللہ علی گڑھی کے شاگرد رشید ہونے کے علاوہ مولانا ہدایت علی بریلوی (تلمیذ علامہ فضل حق خیر آبادی) اور مولانا عبد العزیز سہارنپوری (تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی) سے بھی نسبت تلمذ رکھتے تھے، اور جس زمانے میں مولانا عبدالحق خیر آبادی مدرسہ عالیہ رامپور میں پرنسپل تھے اسی زمانے میں مولانا فضل حق صاحب نے مدرسہ میں مدرس ہونے کے باوجود ان سے کچھ اکتساب فیض کیا تھا، لیکن اس کے باوجود بھی انہوں نے اپنے حاشیہ بر میرزا بدیع امور عامہ میں دلائل کے ساتھ مولانا عبدالحق خیر آبادی سے اختلاف کیا، اور جگہ جگہ ان پر اعتراضات کیے، بھلا خیر آبادی علماء اس کو کہاں برداشت کر سکتے تھے، چنانچہ اس حاشیہ کو لے کر ایک نیا علمی معرکہ چھڑ گیا، مولانا فضل حق رامپوری کے ان اعتراضات کے جواب میں ایک رسالہ منظر عام پر آیا جس میں مصنف کی حیثیت سے مولوی عبداللہ انصاری کا نام درج



دعوت دی، جب مولانا سید برکات احمد ٹوٹکی اپنے تلامذہ کے ساتھ رامپور پہنچے اور مولانا فضل حق کے پاس اپنی آمد کی خبر سمجھی تو مولانا نے یہ بہانہ کر دیا کہ ان کا بیٹا بیمار ہے لہذا وہ نہیں آسکتے، جب دوبارہ ملاقات کا وقت مانگا تو انہوں نے پھر وہی عذر کر دیا، تیسری بار مولانا ٹوٹکی نے کہلوایا کہ میں مناظرے کے لیے نہیں بلکہ آپ کے بیٹے کے معالجے کے لیے آنا چاہتا ہوں کیوں کہ میں ایک طبیب بھی ہوں، لیکن پھر بھی مولانا رامپوری ملاقات پر آمادہ نہیں ہوئے، اس درمیان ان کو کئی خطوط لکھے گئے مگر انہوں نے کسی کا جواب نہیں دیا تو مولانا ٹوٹکی صاحب نے سمجھ لیا کہ یہ مناظرے کو تیار نہیں ہوں گے، لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ ان اعتراضات کا تحریری جواب لکھ دیں تو آپ تیار نہیں ہوئے، لہذا لوگ ان کے تلمیذ رشید مولانا معین الدین اجیری کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ سے درخواست کی، پہلے تو آپ نے اپنی تدریسی مصروفیات کا عذر کیا لیکن جب لوگوں نے بہت زیادہ اصرار کیا تو آپ نے یہ رسالہ تالیف فرمایا۔ (۱۵)

مولانا محمد شریف صاحب کے اس بیان میں ہمیں عقیدت مندانہ مبالغہ محسوس ہو رہا ہے کیوں کہ مولانا فضل حق رامپوری بہر حال ایک تبحر، معقول، متقی اور پرہیزگار عالم تھے، ان سے اس قسم کے غیر علمی اور غیر اخلاقی رویہ کی امید نہیں کی جاسکتی۔ واللہ اعلم

از احاطہ شبہات الشادی کے جواب میں مولانا فضل حق رامپوری کے شاگرد رشید اور معقول و منقول کے جامع مولانا غلام محمد چشتی گھوٹوی (ولادت: ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۶ء - وفات: ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) نے ایک رسالہ ”ظفر الحق والصدافۃ“ تحریر فرمایا، اس کے جواب میں پھر مولانا معین الدین میدان میں آئے اور ”از احاطہ اوہام الغفول عن کلام امام المعقول“ نامی رسالہ تصنیف فرمایا (۱۶) یہ رسالہ راقم سطور کی نظر سے نہیں گزرا، نہیں معلوم کس کس کے جواب میں علامہ رامپور کی جانب سے کچھ لکھا گیا یا یہ سلسلہ یہیں ختم ہو گیا۔

مولانا معین الدین اجیری اور مولانا فضل حق رامپوری کے درمیان ہونے والے علمی معرکے کی تفصیل آپ نے ملاحظہ کی، اب ذرا تصویر کا ایک دوسرا رخ دیکھیں، یہی مولانا فضل حق رامپوری اس معرکے کے تقریباً ۱۵ برس کے بعد ۱۹۳۲ء/۱۹۳۳ء میں مدرسہ مجلیہ اجیر شریف میں امتحان کی حیثیت سے جلوہ فرما ہوئے، مولانا معین

تھا، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ فرضی نام ہے اس رسالے کے اصل مصنف مولانا محمد طیب کی (تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی) ہیں، دوسرا رسالہ ”التحقیق المطلق علی مسلک عبدالحق“ کے نام سے منظر عام پر آیا، جس پر مصنف کی حیثیت سے مولوی عطاء اللہ (تلمیذ مولانا ہدایت اللہ رامپوری شاگرد علامہ فضل حق خیر آبادی) کا نام تھا، مگر تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ بھی فرضی نام ہے، رسالہ کسی اور کا ہے (۱۷) ان دونوں رسالوں کے جواب میں مولانا فضل حق رامپوری نے ”الظفر السامدی علی المعجب المکی والمعجب المحتفی“ نامی رسالہ تحریر کیا، یہ رسالہ محرم ۱۳۲۳ھ میں لکھا گیا اور اسی سال مطبع سعیدی رامپور سے طبع ہوا۔

مولانا فضل حق رامپوری کے ایرادات کو دفع کرنے کے لیے ایک اور خیر آبادی فاضل نے قلم اٹھایا، یہ تھے علامہ الہند مولانا معین الدین اجیری (تلمیذ مولانا سید برکات احمد ٹوٹکی تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی) نے ”از احاطہ شبہات الشادی عن کلام الفاضل الخیر آبادی“ کے نام سے ایک رسالہ تصنیف فرمایا، اس پر مولانا محمد شریف سمیوی (مدرس مدرسہ نعمانیہ لاہور) نے تقریباً ۹۶ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ مطبع مفید عام لاہور سے ۱۳۲۵ھ میں اشاعت پذیر ہوا۔ مولانا محمد شریف صاحب نے اپنی تقریباً ۱۵۰ صفحات پر مشتمل تصنیف کا جو پس منظر تحریر کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

”امور عامہ پر حاشیہ زائد یہ بہت مفق اور دقیق ہے، اس کے اسرار خاص پر پوشیدہ رہے چہ جائے کہ عام علما اور فضلا پر، کسی نے ایسی تحریر نہیں لکھی جو اس کے مغلفات کو واضح کرتی، اور نہ کسی نے ایسی تحقیق لکھی جو اس کے مشکلات کی وضاحت کرتی، اس کے جتنے بھی حواشی ہیں وہ یا تو بہت طویل ہیں یا پھر انتہائی مختصر ہیں، لہذا استاذ الاساتذہ علامہ عبدالحق خیر آبادی نے اس پر ایسا حاشیہ تحریر فرمایا جو اس کے رموز و اسرار کو کھولنے والا ہے، چنانچہ علامہ کا یہ حاشیہ علما کے درمیان مقبول ہوا، لیکن حاسدین اس کو دیکھ کر اپنی آتش حسد میں جل گئے، اور مولوی فضل حق رامپوری نے اس پر اعتراضات کیے، جب ان اعتراضات کی خبر علامہ سید برکات احمد ٹوٹکی کو ہوئی تو انہوں نے متواتر کئی خطوط مولانا فضل حق رامپوری کو لکھے کہ آپ ان اعتراضات کے سلسلے میں بالمشافہ مجھ سے مباحثہ کر لیں، مولانا فضل حق رامپوری نے ان کو رامپور آنے کی



الدین اجیری مدرسے کے صدر مدرس تھے، مولانا عبدالسلام خاں رامپوری لکھتے ہیں کہ مولانا معین الدین اجیری نے مولانا فضل حق رامپوری کا تعارف ان الفاظ میں کروایا کہ:

آج میں ایسے فاضل کو پیش کر رہا ہوں جو اس لیے بڑا نہیں ہے کہ بڑوں کی موت نے اسے بڑا بنایا ہے بلکہ یہ بڑا ہے جس کو بڑوں نے جب وہ زندہ تھے بڑا مانا تھا۔ (۱۷)

محاکمات اور شرح اشارات جیسی کتابوں کا امتحان لیا، اس کے بعد کیا ہوا یہ خود ایک عینی گواہ کی زبان سے سنیے، مولانا معین الدین اجیری کے شاگرد مولانا محمد اسرار نیکل پشاور (جوان طلبہ میں شامل تھے جن کا امتحان لیا گیا تھا) فرماتے ہیں:

امتحان لینے کے بعد علامہ فضل حق صاحب بہت خوش ہوئے اور تعریفی کلمات میں حضرت استاذی (مولانا معین الدین اجیری) مدظلہ کے کام کو سراہ رہے تھے، اتفاق سے ان کے ایک ساتھی (خادم) کا نام معین الدین تھا، انہیں نام لے کر پکارا تو حضرت علامہ (معین الدین اجیری) آگے بڑھے، اور فرمایا ”فقیر حاضر ہے“ اس پر علامہ رامپوری بہت نادم ہوئے، اور فرمایا ”آپ تو مخدوم معین الدین ہیں“ یہ ان حضرات کے اخلاق عالیہ کا کمال تھا، ورنہ ہر دو حضرات کے مناظرے بھی ہوئے تھے اور شائع بھی ہوئے تھے، مگر چونکہ علامہ رامپوری عمر میں بڑے تھے اور عالی جناب حکیم برکات احمد کے ہم زمان تھے، اس لیے استاذی مدظلہ بھی ان کی استاذانہ قدر کرتے تھے۔ (۱۸)

یہ ہے علمائے ربانین کا طرز عمل کہ آپس میں علمی اختلافات بھی ہیں، مناظرے بھی ہو رہے ہیں، جواب اور جواب الجواب میں رسالے بھی شائع ہو رہے ہیں، اس کے باوجود بھی جب ان کی یا ہم کہیں ملاقات ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے کے مقام و مرتبے کا پاس و لحاظ کرنے اور ایک دوسرے کا ادب و احترام کرنے میں ہر آدمی دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے، یہ طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون کس کا زیادہ ادب و احترام کر رہا ہے۔ کہنے والے نے درست کہا ہے کہ ”بڑوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں“۔ رب قدیر ان سب کے درجات بلند فرمائے۔

مناظرہ رامپور: یہ مناظرہ اگرچہ مولانا عبدالحق خیر آبادی سے نہیں ہوا تھا، مگر انہیں پر اعتراضات کے نتیجے میں ان کے ایک شاگرد اور

شاگرد کے شاگرد سے ہوا تھا، جس کی تفصیل دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ اس مناظرے کی تفصیلات حکیم محمود احمد برکاتی نے اپنی دو کتابوں ”مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم“ (برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۳ء) اور مولانا معین الدین اجیری: کردار و افکار (برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۳ء) میں اور مولانا عبدالسلام خاں رامپوری نے ”برصغیر میں علمائے معقولات اور ان کی تصانیف“ (خدا بخش لائبریری پٹنہ ۱۹۹۶ء) میں درج کی ہیں، ہم نے اس رووا مناظرہ کے سلسلہ میں انہی کتابوں سے استفادہ کیا ہے، اس مناظرے کی تقریب کچھ یوں ہوئی کہ مولانا عبدالحق فرنگی محلی کے ایک شاگرد مولانا عبدالوہاب بہاری (وفات: ۱۳۳۵ھ) تھے، اپنے زمانے میں معقولات کی تدریس میں منفرد مقام رکھتے تھے، مدرسہ عالیہ کلکتہ میں استاذ رہے، حکومت برطانیہ کی جانب سے ”شمس العلماء“ کا خطاب بھی ملا تھا، اور ”فخر بہار“ کے لقب سے مشہور تھے، انہوں نے رسالہ میرزا ہدیر بیگہ لکھنویہ کے نام سے حاشیہ تصنیف فرمایا، جس میں جگہ جگہ اپنے استاذ مولانا عبدالحق فرنگی محلی کا دفاع کرتے ہوئے مولانا عبدالحق خیر آبادی پر اعتراضات کیے، فخر بہار کی خواہش تھی کہ اس کتاب کی اشاعت کے اخراجات نواب حامد علی خاں والی ریاست رامپور ادا فرمادیں، اسی مقصد سے مولانا عبدالوہاب بہاری رامپور آئے ہوئے تھے، مولوی محمد علی صاحب عرف صاحبزادہ چٹھن (تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی) جو نواب رامپور کے عزیز بھی تھے، جب انہوں نے کتاب دیکھی تو یہ گوارا نہیں کیا کہ جس کتاب میں ان کے استاذ مولانا عبدالحق خیر آبادی پر اعتراضات کیے گئے ہوں وہ ریاست رامپور کے مصارف پر اشاعت پذیر ہو، صاحبزادہ چٹھن صاحب نے یہ تجویز رکھی کہ آپ ان اعتراضات کے سلسلے میں مولانا حکیم برکات احمد ٹوکی (تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی) سے مناظرہ کر لیں، اگر آپ ان کو شکست دے دیں تو یہ تسلیم کر لیا جائے گا کہ یہ اعتراضات درست ہیں اور ریاست اس کتاب کی طباعت کے اخراجات ادا کرے گی، مولانا عبدالوہاب صاحب نے یہ تجویز منظور فرمائی، حکیم صاحب کو دعوت دی گئی، آپ نے منظور فرمائی اور رامپور کا قصد کیا، جب مناظرے کے سلسلے میں حکیم صاحب کے رامپور جانے کا شہرہ ہوا تو آپ کے بہت سے تلامذہ اجیر، پٹنہ، دربھنگہ، الہ آباد، بنارس اور سہارن پور سے رامپور کے لیے روانہ ہو گئے، اور بقول حکیم محمود احمد برکاتی:



”ریاست کے سرکاری مہمان خانے میں چند دن کے لیے مزاحمتی جلسہ منعقد کرکے قتل ہو گیا۔“ (۱۹)

مولانا سید برکات احمد ٹوکی کے ساتھ ان کے شاگرد رشید علامہ الہند مولانا معین الدین اجیری صاحب بھی تھے، یہ خیر آبادی قافلہ ریاست رامپور میں خیمہ زن ہو گیا مگر مولانا عبد الوہاب صاحب کی جانب سے مجلس مناظرہ کے انعقاد میں تاخیر اور تذبذب کا مظاہرہ ہوتا رہا، جب کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تو آخر ایک دن مولانا معین الدین اجیری صاحب ملاقات کے لیے مولانا عبد الوہاب بہاری کے دولت کدہ پہنچ گئے، اور آخر کی گفتگو ہوئی، اسی میں کہیں مولانا عبد اللہ ٹوکی کا ذکر بھی آیا، مگر مولانا معین الدین اجیری کی زبانی ملاحظہ کریں:

”خیر بہار فرماتے گئے: ”انہوں نے (مولانا عبد اللہ ٹوکی نے) ہم ان کے حاشیے میں کس قدر فاش غلطی کی ہے کہ قضیہ کو معقولات ثانیہ میں داخل کر دیا ہے“ یہ کہہ کر خیر بہار ان کی تحریر پر سخت تعجب کرنے لگے، خیر حیر نے خیر بہار کے اس تعجب پر متعجب ہو کر کہا کہ یہ فاش غلطی تو کیا غلطی بھی نہیں ہے، اگر مولوی عبد اللہ صاحب نے ایسا لکھا تو بالکل بجا اور صحیح لکھا کیونکہ قضیہ کا معقولات ثانیہ سے ہونا ایک اجماعی مسئلہ ہے، زان بعد فقیر اس امر کا منتظر تھا کہ اب خیر بہار کچھ ارشاد فرمائیں، لیکن انہوں نے ایسی چپ سادہی کہ یہ مسئلہ تو درکنار تذبذب کہ اہل علم ہی کو اڑا گئے۔ (۲۰)

اپنی قیام گاہ پرواہیں آ کر مولانا معین الدین اجیری نے قضیہ کے معقولات ثانیہ سے ہونے یا نہ ہونے پر مولانا عبد الوہاب بہاری صاحب کو دعوت مناظرہ دی، طرفین سے تحریروں کا تبادلہ ہوا، مولانا عبد الوہاب صاحب نے مولانا معین الدین اجیری سے مناظرہ کرنا اپنے مقام سے فزوں گمان کیا کہ وہ ان سے عمر میں چھوٹے تھے، ہاں البتہ مولانا اجیری کے استاذ مولانا سید برکات احمد ٹوکی سے مناظرہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ صاحبزادہ چشتی صاحب کی کوششوں سے یہ مناظرہ ۱۵ رمضان ۱۳۳۳ھ ۱۷ جولائی ۱۹۱۶ء کو ”خاص پارچ“ میں نواب حامد علی خاں والی ریاست رامپور کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں رامپور اور اطراف کے بہت سے معقولی علما نے شرکت کی، بقول حکیم محمود احمد برکاتی:

یہ مناظرہ علمائے عقلیات کے درمیان غالباً تاریخ کا آخری قابل ذکر مناظرہ تھا، اس کے بعد تو بساط ہی الٹ گئی، اب عقلیات ہی کی قدر باقی رہی نہ علمائے عقلیات کی، قدریں ہی بدل گئیں، وہ موضوعات رہے نہ مسائل، ان کے سمجھنے والے ہی اٹھ گئے، ان میں الجھنے والے دکان بڑھا گئے، وہ نظریات، وہ مسائل، وہ شخصیات سب اس دور کے لیے اجنبی ہو کر رہ گئے۔ (۲۱)

مجلس مناظرہ آراستہ ہوئی اور ریاست رامپور کے اخبار دبدو سکندری کے مطابق:

حکیم صاحب (مولانا سید برکات احمد) نے اپنی پرزور تقریر سے اس (قضیہ) کا معقولات ثانیہ سے ہونا ثابت کر دیا تو جناب مولانا مولوی عبد الوہاب صاحب بہاری بجز اس کے کچھ نہ فرما سکے کہ یہ تو میں نے کسی سے نہیں سنا یہ تو جدید تحقیق ہے، اس پر حاشیہ حمد اللہ مصنفہ حضرت مولانا عبد الحق قدس سرہ سے جس میں عبارت افق اطمینان سے یہ امر ثابت ہو رہا تھا پیش کیا گیا جس کو حضور معلیٰ (نواب حامد علی خاں) دام ملک ہم نے بذات خود جناب مولانا مولوی عبد الوہاب صاحب بہاری کو سمجھا دیا۔ (۲۲)

اس مجلس مناظرہ میں مولانا فضل حق رامپوری بھی تشریف فرما تھے، مولانا برکات احمد ٹوکی اور ان کے تلامذہ سے مولانا فضل حق رامپوری کے علمی معرکے کی روداد آپ پڑھ چکے، اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مولانا فضل حق رامپوری موقع سے فائدہ اٹھا کر حکیم برکات احمد صاحب کی شکست کے درپے ہو جاتے، اور اپنی گزشتہ معرکہ آرائی کا بدلہ لے لیتے، مگر آپ مولانا فضل حق کی اعلیٰ ظرفی ملاحظہ فرمائیں، مولانا کے شاگرد مولانا عبد السلام خاں رامپوری روایت کرتے ہیں کہ مولانا فضل حق رامپوری نے فرمایا کہ:

میں نے محسوس کیا کہ عبد الوہاب اسی پیر رہے ہیں (۲۳) اور جواب بن نہیں پڑ رہا ہے تو میں نے حکیم برکات احمد کے سوال کی تشریح کرتے ہوئے جواب کی طرف اشارہ کر دیا، پھر ایک موقع پر برکات احمد دشواری میں پڑ گئے، میں نے عبد الوہاب بہاری کی بات کی تشریح کی اور جواب کی طرف اشارہ کیا، بہر حال میں نے دونوں حضرات کی بحث کو نزاع لفظی قرار دیتے ہوئے فیصلہ کر دیا اور اس طرح نواب صاحب کے سامنے دونوں کی بات رہ گئی۔ (۲۴)



فاروقی حیدر آبادی صاحب اس کے حکم ہوں وہ جو فیصلہ کر دیں اس کو فریقین تسلیم کریں، اس پر مولانا معین الدین اجمیری راضی ہو گئے، لکھتے ہیں: اس دعوت کو فقیر بالرائس واعین قبول کرتا ہے، بہتر ہے حیدر آباد چلیے حضرت مولانا محمد انوار اللہ صاحب دامت برکاتہم کو ہم بھی حکم تسلیم کرتے ہیں، اب آپ کو اس معاملے میں غلط کرنا چاہیے، جس وقت روانگی کا ارادہ ہو فقیر کو بذریعہ تار مطلع فرمائیے، اور بہتر ہو کہ جناب براہ اجمیر شریف حیدر آباد تشریف لے جائیں تاکہ دونوں کا ساتھ ہو جائے، سفر کی منزلیں بخدا الطف کے ساتھ طے ہوں گی، الغرض فقیر ارشاد کی تعمیل کے لیے حاضر ہے۔ (۲۵)

مولانا کی اس تحریر میں دو باتیں خاص طور سے قابل غور ہیں ایک تو اس سے شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام و مرتبہ ظاہر ہوتا ہے، کہ آپ صرف منقولات ہی کے امام نہیں بلکہ معقولات میں بھی اس درجہ بلند مقام کے حامل تھے کہ منطق کے ایک الجھے ہوئے مسئلے کو حل کرنے کے لیے اگر فریقین کسی کے علم اور دیانت و امانت پر اعتبار کر کے فیصل اور حکم ماننے پر آمادہ ہیں تو صرف آپ کی ذات گرامی ہے۔

دوسرے اس عبارت سے مولانا معین الدین اجمیری کے خلوص اور کشادہ قلبی کا پتہ چلتا ہے کہ جس شخصیت سے آپ علمی میدان میں برسر پے کار ہیں اسی کو اس محبت کے ساتھ اپنا ہم سفر بنانے کی خواہش کر رہے ہیں گویا ان کے درمیان کوئی اختلاف ہی نہ ہو۔ یہ ہے علمی مباحث میں ہمارے اکابر و اسلاف کا کردار۔

قصہ مختصر یہ کہ حیدر آباد کے سفر کی توبت ہی نہیں آئی اور اسی درمیان شمس العلماء مولانا عبد الوہاب بہاری صاحب کا سانحہ ارتحال پیش آگیا، ان کی اچانک وفات سے یہ معاملہ کسی فیصلہ کن موڑ پر پہنچنے سے پہلے ہی اپنے انجام کو پہنچا۔ □□□

#### مراجع

- (۱) باغی ہندوستان: از عبد الشاہد خاں شیروانی، ص ۱۸۴/۱۸۵، طبع پنجم ۲۰۰۱ء
- امع الاسلامی مبارک پور (۲) مرجع سابق ص ۱۸۴ (۳) مرجع سابق ص ۳۱۴
- (۴) مرجع سابق ص ۱۹۶ (۵) مرجع سابق ص ۳۲۴
- (۶) لواء الہدیٰ از علامہ غلام محی بہاری، ص ۹۴، طبع نجم العلوم لکھنؤ ۱۳۱۱ھ
- (۷) بحوالہ مصباح الدینی، ص ۱۹۵، طبع نجم العلوم لکھنؤ ۱۳۱۱ھ
- (۸) مرجع سابق، ص ۱۹۷

یہی وہ اعلیٰ ظرفی، کشادہ قلبی، اور وضع داری ہے جو انسان کو بڑا بناتی ہے، مناظرہ ختم ہوا تو دونوں فریق نے اپنے اپنے طور پر فتح و کامرانی کا سہرا اپنے سر باندھا، اس سے مولانا برکات احمد کے تلامذہ اور مولانا عبد الوہاب صاحب اور ان کے تلامذہ کے درمیان ایک تحریری جنگ چھڑ گئی، اس سلسلہ میں خیر آبادی خیمے کی جانب سے جو رسائل اور کتابچے منظر عام پر آئے ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) ازالة اوہام العبادی عن کلام الفاضل النحیر آبادی: مولانا عبد العزیز بہاری (تلمیذ مولانا مقبول احمد درہنگوی تلمیذ مولانا برکات احمد نوکی) مطبوعہ اخلاقی پریس بانگی پور۔

(۲) مانع غلط فہمی: مولانا عبد العزیز بہاری (تلمیذ مولانا مقبول احمد درہنگوی تلمیذ مولانا برکات احمد نوکی) مطبوعہ مطبع نجیب پھولاری شریف

(۳) بیجااب الدہور: مولانا عبد العزیز بہاری (تلمیذ مولانا مقبول احمد درہنگوی تلمیذ مولانا برکات احمد نوکی) مطبوعہ اخلاقی پریس بانگی پور

(۴) چہار تازیانہ قہار: مولانا معین الدین اجمیری، مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی

(۵) کھلی چٹنی کا کھلا خط: مولانا معین الدین اجمیری، مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی

(۶) حقیقت مناظرہ رامپور: مولانا محمد شریف اعظم گڑھی، مطبوعہ اکسیر اعظم پریس بنارس

(۷) التقریر الکامل فی تنبیہ الغافل: مولانا محمد شریف اعظم گڑھی، مطبوعہ اکسیر اعظم پریس بنارس

(۸) الاعلان: مولانا محمد شریف اعظم گڑھی

(۹) الرباح الحظیۃ علی الصحیفۃ المملکوتیۃ: مولانا محمد شریف اعظم گڑھی

(۱۰) الطامۃ الکبریٰ: مولانا مقبول احمد خاں درہنگوی مطبوعہ مطبع نجیب پھولاری شریف

(۱۱) مناظرہ مور و سلیمان: مولانا محی الدین غازی اجمیری، مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی

اسی درمیان تصفیہ کی ایک صورت یہ پیدا ہوئی کہ مولانا عبد الوہاب صاحب مولانا اجمیری کے ساتھ مناظرے کے لیے آمادہ ہو گئے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ یہ مناظرہ حیدر آباد میں ہو اور شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ



(۹) مرتبہ سائنس اور طبیعت  
(۱۰) تحقیق علیٰ مصداق اربعہ مولانا عبدالحق خیر آبادی رحمتی، ۱۹۷۷ء

(۱۱) مرتبہ سائنس اور طبیعت  
(۱۲) خاندانہ کا خراج عقیدت، مرتبہ حکیم محمود احمد برکاتی، ص ۵۳، برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۵ء

(۱۳) مولانا فضل حق رانی پوری، ص ۳۳، مطبع سعیدی رانی پور ۱۳۳۳ھ

(۱۴) خلاصہ تقریظ از احیاء شہادت الشادی ص ۹۳ تا ۹۶، مطبع مفید عام لاہور ۱۳۳۵ھ

(۱۵) مولانا معین الدین امیری حیات و نظریات، مقالہ از: نجم الحسن خیر آبادی، مشمولہ "خاندانہ کا خراج عقیدت"، مرتبہ حکیم محمود احمد برکاتی، ص ۵۳، برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۵ء

(۱۶) برصغیر کے علمائے معقولات اور ان کی تصانیف: مولانا عبد السلام خاں رانی پوری، ص ۷۷، خدا بخش لائبریری پٹنہ ۱۹۹۶ء

(۱۷) نقوش و آثار، مقالہ از: مولانا محمد اسماعیل ریشاوری، مشمولہ "خاندانہ کا خراج عقیدت"، مرتبہ حکیم محمود احمد برکاتی، ص ۱۱۵، ۱۱۶، برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۵ء

(۱۸) مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: از حکیم محمود احمد برکاتی، ص ۹۱، برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۳ء

(۱۹) چہار تازیانہ قہار: از مولانا معین الدین امیری، ص ۲۱، بحوالہ مولانا معین الدین امیری، کردار و افکار، از حکیم محمود احمد برکاتی، ص ۶۵

(۲۰) مولانا معین الدین امیری، کردار و افکار: حکیم محمود احمد برکاتی، ص ۶۴، برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۳ء

(۲۱) اخبار و بدیع سکندری رانی پور، شمارہ ۳، جلد ۵۳، ۲۳ جولائی ۱۹۱۶ء، بحوالہ مولانا معین الدین امیری، کردار و افکار: حکیم محمود احمد برکاتی، ص ۶۶، ۶۷، برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۳ء

(۲۲) "اسی پیرتا" ایک محاورہ ہے، یعنی کوئی کام دشواری اور وقت کے ساتھ انجام دینا۔

(۲۳) برصغیر کے علمائے معقولات اور ان کی تصانیف: مولانا عبد السلام خاں رانی پوری، ص ۶۱، خدا بخش لائبریری پٹنہ ۱۹۹۶ء

(۲۴) کھلی چٹھی کا کھلا خط: از مولانا معین الدین امیری، بحوالہ مولانا معین الدین امیری، کردار و افکار: حکیم محمود احمد برکاتی، ص ۶۷، ۶۸، برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۳ء

بقیہ: امریکہ نامہ

بھائی ماجد صاحب نے اپنی جانب سے ایک اور بڑی بھی کھلائی اور عمدہ چائے پلائی اور ہم سے بہت کم پیسے بھی لیے۔ جس تپاک سے ہمارے ایک پاکستانی بھائی ملے اسے ہم بھی نہیں بھول سکتے اور معافیال آیا کہ کاش ہم ہندوستانی اور پاکستانی اسی طرح اپنے ملکوں میں بھی ملتے۔

نیویارک کی پہلی صبح ہمارے لیے اور بھی سردی لے کر آئی۔ لیکن ہم لوگ سیر کو نکل پڑے۔ ہر جگہ شہر کا میپ دستیاب تھا اور ٹرانسپورٹ کی رہنمائی بھی۔ اس لیے ہم ڈاکٹر رضوان جو تجربہ کار سیاح ہیں کی رہنمائی میں نکل پڑے۔ میٹرو کے ذریعے پہلے گراؤنڈ زیر ویو ریل دیکھنے گئے۔ جو عمارت تباہ ہوئی تھی اس جگہ تعمیر کا کام تیزی سے جاری تھا اور نیا

ٹریڈ سینٹر اسی کے بالمقابل نئی آب و تاب کے ساتھ پرانی عمارت سے بھی زیادہ اونچی اور مضبوط کب کی بن چکی ہے۔ یہ عمارت آئینل اور شیشے سے بنی ہوئی ہے۔ باقی کئی عمارتیں زیر تعمیر ہیں۔ اسے دیکھنے کے بعد ہم نے نیویارک کے کئی علاقوں کو دیکھا اور خاص طور پر اٹیچو آف

لیبرٹی کو۔ یہاں پہنچ کر اندازہ ہوا کہ کس طرح سیاحوں کو اٹریکٹ کیا جاتا ہے۔ فیری (پانی کا جہاز) ہر آدھے گھنٹے پر مفت میں سیاحوں کو اس جزیرے کی سیر کراتی ہے جہاں اٹیچو آف لیبرٹی ہے۔ انتہائی عمدہ انتظام و دیکھ کر طبیعت خوش ہوئی۔ اس کے بعد ہم لوگوں نے اپنے عزیزوں کے لیے بیس سے تحائف بھی خریدے۔ مجموعی طور پر نیویارک مشنر کہ

تہذیب و ثقافت کا ایک خوب صورت شہر ہے اور اس کا اقیانوس بھی یہی ہے کہ دنیا کے بیشتر ممالک کے لوگ اس شہر میں موجود ہیں۔ لیکن کم وقت میں تمام مقامات کو دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ ۱۳ اپریل کی صبح دہلی کے لیے ہماری واپسی تھی۔ دو دنوں میں اس شہر کو نہیں دیکھا جاسکتا۔ لیکن اہم مقامات کو دیکھ کر ۱۳ اپریل کو ہم لوگ دہلی کے لیے روانہ ہوئے۔ اس

دفعہ امریکی وقت کے حساب سے ہمارا جہاز شام کے پانچ بجے نیویارک سے روانہ ہوا۔ کچھ ہی دیر میں رات ہو گئی۔ لیکن یہ رات صرف چار پانچ گھنٹے کی تھی۔ اس کے بعد تمام راستے دن ہی دن تھا۔ مگر سورج کی روشنی اتنی تیز تھی کہ ہم باہر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم خیر و خوبی

سے ۱۶ اپریل کی شام دہلی واپس آ گئے اور اب امریکہ کو نئے سفر سے دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ □□□